تقریر بابت مسیح موعودؑ
وقت 5-7 منٹ

❁❁❁ تقریر ❁❁❁

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو پند و نصائح

(ملفوظات جلد 8 ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر 2)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر:10)

یعنی بے شک ہم نے ہی اِس ذکر (قرآن شریف) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اِس کے محافظ ہیں۔

قرآں کتاب رحماں سکھائے راہِ عرفاں
جو اسکے پڑھنے والے ان پر خدا کے فیضاں
ان پر خدا کی رحمت جو اس پہ لائے ایماں
یہ روز کر مبارک سُبۡحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ

معزز سامعین! "مشاہدات" کے پلیٹ فارم سے آج سے حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات پر مشتمل ملفوظات جلد 8 سے پند و نصائح پیش کی جارہی ہیں۔ آج کی تقریر جلد 8 سے دوسری تقریر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِن نصائح پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"قرآن شریف کی تعلیم کا خلاصہ مغز کے طور پر یہی بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اس قدر استیلاء کرے کہ ماسوی اللہ جل جاوے۔ یہی وہ عمل ہے جس سے گناہ جلتے ہیں اور یہی وہ نسخہ ہے جو اسی عالَم میں انسان کو وہ حواس اور بصیرت عطا کرتا ہے جس سے وہ اس عالَم کی برکات اور فیوض کو اس عالَم میں پاتا ہے اور معرفت اور بصیرت کے ساتھ یہاں سے رخصت ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 54)

قرآن شریف کے انوار و برکات اور تاثیرات ہمیشہ زندہ اور تازہ بتازہ ہیں

فرمایا:

"یہ سچ ہے کہ اکثر مسلمانوں نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا ہے لیکن پھر بھی قرآن شریف کے انوار و برکات اور اِس کی تاثیرات ہمیشہ زندہ اور تازہ بتازہ ہیں۔ چنانچہ مَیں اس وقت اسی ثبوت کے لیے بھیجا گیا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے اپنے وقت پر اپنے بندوں کو اِس کی حمایت اور تائید کے لیے بھیجتا رہا ہے کیونکہ اُس نے وعدہ فرمایا تھا اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر:10) یعنی بے شک ہم نے ہی اِس ذکر (قرآن شریف) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اِس کے محافظ ہیں۔ قرآن شریف کی حفاظت کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ توریت یا کسی اَور کتاب کے لیے نہیں۔ اِسی لیے اِن کتابوں میں انسانی چالاکیوں نے اپنا کام کیا۔ قرآن شریف کی حفاظت کا یہ بڑا زبردست ذریعہ ہے کہ اِس کی تاثیرات کا ہمیشہ تازہ بتازہ ثبوت ملتا رہتا ہے اور یہود نے چونکہ توریت کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور اِن میں کوئی اثر اور قوّت باقی نہیں رہی جو اُن کی موت پر دلالت کرتے ہے۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 116)

قرآن ایک ناپید کنار سمندر ہے

فرمایا:

”مَیں نے کئی بار اشتہار دیا ہے کہ کوئی ایسی سچائی پیش کرو جو ہم قرآن شریف سے نہ نکال سکیں۔ لَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ (الانعام:60)۔ یہ ایک ناپیدا کنار سمندر ہے اپنے حقائق اور معارف کے لحاظ سے اور اپنی فصاحت وبلاغت کے رنگ میں۔ اگر بشر کا کلام ہوتا تو سطحی خیالات کا نمونہ دکھایا جاتا۔ مگر یہ طرز ہی اَور ہے جو بشری طرزوں سے الگ اور ممتاز ہے۔ اِس میں باوجود اعلیٰ درجہ کی بلند پروازی کے نمود و نمائش بالکل نہیں۔ خود فرمایا کہ اُمتیوں کے لیے ہے اور پھر اَور لطف یہ ہے کہ ظاہر تو امتیوں کے لیے ہے اور باطن ہر ایک کے سیر اب کرنے والا ہے۔“

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 122-123)

قرآن کریم میں بار بار تکرار کی وجہ

حضورؑ نے سورہ رحمان میں اعادہ کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”اس قسم کا التزام اللہ تعالیٰ کے کلام کا ایک ممتاز نشان ہے۔ انسان کی فطرت میں یہ امر واقع ہوا ہے کہ موزوں کلام اُسے جلد یاد ہو جاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ (القمر:18) یعنی بے شک ہم نے یاد کرنے کے لیے قرآن شریف کو آسان کر دیا ہے۔

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی ساری چیزوں میں حُسن ہے۔ تو کیا یہ ضروری نہیں کہ اُس کے کلام میں بھی حُسن ہو۔ یہ اُس کا ایک حُسن ہے۔ اگر قرآن مجید ژولیدہ بیان ہوتا تو اس سے کیا فائدہ ہوتا؟ طبائع کو اِس کی طرف توجہ ہی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں عجیب عجیب قسم کی مخلوق دیکھی جاتی ہے۔ عجائب خانہ میں جا کر بعض جانور اس قسم کے دیکھے گئے ہیں کہ گویا وہ ایک خوبصورت چھینٹ ہیں۔ اِن ساری باتوں پر نظر کر کے معلوم ہوتا ہے کہ رنگینی خدا تعالیٰ کی عادت ہے۔ یہاں تک بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض جانور انڈے خود دیتے ہیں اور اس کے بچے اَور جانور نکالتے ہیں۔ کوئل انڈے خود دیتی ہے اور کوّے کے آشیانہ میں رکھ دیتی ہے۔ پس جس جس قدر کوئی مخلوقاتِ الٰہی کا اور افعالُ اللہ کا مشاہدہ کرے گا اُسی قدر اُس کا تعلق بڑھتا جائے گا۔ اسی طرح اُس کے اقوال میں لا انتہا اسرار ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ افعالُ اللہ کی خوردبین سے ہو جاتا ہے۔

حضرت حکیم الامت نے عرض کیا کہ شاعر اور فصیحت تو اِس طرز بیان پر اعتراض کر ہی نہیں سکتا اس لیے کہ خود ان کو اس امر کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔

پھر حضرت حجۃُ اللہ علیہ الصلٰوۃ والسّلام نے اسی سلسلہ کلام میں فرمایا کہ **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ** (الرحمٰن:14) بار بار توجہ دلانے کے واسطے ہے۔ اسی تکرار پر نہ جاؤ۔ قرآن شریف میں اَور بھی تکرار ہے۔ مَیں خود بھی تکرار کو اِسی وجہ سے پسند کرتا ہوں۔ میری تحریروں کو اگر کوئی دیکھتا ہے تو وہ اس تکرار کو بکثرت پائے گا۔ حقیقت سے بے خبر انسان اس کو منافی بلاغت سمجھ لے گا اور کہے گا کہ یہ بھول کر لکھا ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ شاید پڑھنے والا پہلے جو کچھ لکھا ہے اُسے بھول گیا ہو۔ اِس لیے بار بار یاد دلاتا ہوں تاکہ کسی مقام پر تو اس کی آنکھ کھُلے۔ انّما الاعمال بالنّیات

علاوہ بریں تکرار پر اعتراض ہی بے فائدہ ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی تو انسانی فطرت ہے کہ جب تک بار بار ایک بات کو دہرائے نہیں وہ یاد نہیں ہوتی۔ سبحان ربّی الاعلیٰ اور سبحان ربّی العظیم بار بار کیوں کہلوایا؟ ایک بار ہی کافی تھا۔ نہیں۔ اِس میں یہی سِرّ ہے کہ کثرت تکرار اپنا ایک اثر ڈالتی ہے اور غافل سے غافل قوتوں میں بھی ایک بیداری پیدا کر دیتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ (الانفال:46) یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ جس طرح پر ذہنی تعلق ہوتا ہے اور کثرت تکرار ایک بات کو حافظہ میں محفوظ کر دیتی ہے اسی طرح ایک روحانی تعلق بھی ہے اس میں بھی تکرار کی حاجت ہے۔ بدُوں تکرار وہ روحانی پیوند اور رشتہ قائم نہیں رہتا اور پھر سچ تو یہ ہے کہ اصل بات نیت پر موقوف ہے جو شخص صرف حفظ کرنے کی نیت سے پڑھتا ہے تو وہ وہیں تک رہتا ہے اور جو شخص روحانی تعلق کو بڑھالیتا ہے۔ حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مَیں ایک آیت اتنی مرتبہ پڑھتا ہوں کہ وہ آخر وحی ہو جاتی ہے۔ صوفی بھی اسی طرف گئے ہیں اور وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا کے یہ معنی ہیں کہ اس قدر ذکر کرو کہ گویا اللہ تعالیٰ کا نام کنٹھ ہو جاوے۔ انبیاء علیہم السلام کے طرزِ کلام میں یہ بات عام ہوتی ہے کہ وہ ایک امر کو بار بار اور مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ اُن کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ تا مخلوق کو نفع پہنچے۔ مَیں خود دیکھتا ہوں اور میری کتابیں پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اگر چار صفحے میری کسی کتاب کے دیکھے جاویں تو اُن میں ایک ہی امر کا ذکر پچاس مرتبہ آئے گا اور میری غرض یہی ہوتی ہے کہ شاید پہلے مقام پر اُس نے غور نہ کیا ہو

اور یوں ہی سر سری طور پر گزر گیا ہو۔ قرآن شریف میں اعادہ اور تکرار کی بھی یہی حکمت ہے۔ یہ تو احمقوں کی خشک منطق ہے جو کہتے ہیں کہ بار بار تکرار سے بلاغت جاتی رہتی ہے۔ وہ کہتے رہیں۔ قرآن شریف کی غرض تو ایک بیمار کا اچھا کرنا ہے وہ تو ضرور ایک مریض کو بار بار دوا دے گا۔ اگر یہ قاعدہ صحیح نہیں تو پھر ایسے معترض جب کوئی ان کے ہاں بیمار ہو جاوے تو اُسے بار بار دوا کیوں دیتے ہیں اور آپ یوں دن رات کے تکرار میں اپنی غذا لباس وغیرہ امور کا تکرار کرتے ہیں؟"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 123-125)

قرآن مجید خاتم الکتاب ہے

فرمایا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور قرآن شریف خاتم الکتب۔ اب کوئی اور کلمہ یا کوئی اور نماز نہیں ہو سکتی۔ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا کرکے دکھایا اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے اُس کو چھوڑ کر نجات نہیں مِل سکتی۔ جو اُس کو چھوڑے گا وہ جہنم میں جاوے گا۔ یہ ہمارا مذہب اور عقیدہ ہے۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 252)

سامعین! قرآن کا مرتبہ یقینی اور حدیث کا ظنّی ہے

فرمایا:

"ایک اور غلطی اکثر مسلمانوں کے درمیان ہے کہ وہ حدیث کو قرآن شریف پر مقدّم کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ قرآن شریف ایک یقینی مرتبہ رکھتا ہے اور حدیث کا مرتبہ ظنّی ہے۔ حدیث قاضی نہیں بلکہ قرآن اُس پر قاضی ہے۔ ہاں! حدیث قرآن شریف کی تشریح ہے۔ اُس کو اپنے مرتبہ پر رکھنا چاہیے۔ حدیث کو اِس حد تک ماننا ضروری ہے کہ قرآن شریف کے مخالف نہ پڑے اور اُس کے مطابق ہو۔ لیکن اگر اُس کے مخالف پڑے تو وہ حدیث نہیں بلکہ مردود قول ہے۔ لیکن قرآن شریف کے سمجھنے کے واسطے حدیث ضروری ہے۔ قرآن شریف میں جو احکام الٰہی نازل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عملی رنگ میں کرکے اور کراکے دکھایا اور ایک نمونہ قائم کر دیا۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 363-364)

کیا میّت کو قرآن شریف کا پڑھنا پہنچ سکتا ہے؟

فرمایا:

میت کو صدقہ وخیرات جو اُس کی خاطر دیا جاوے پہنچ جاتا ہے لیکن قرآن شریف کا پڑھ کر پہنچانا حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے۔ اس کی بجائے دُعا ہے جو میّت کے حق میں کرنی چاہیے۔ میّت کے حق میں صدقہ خیرات اور دعا کا کرنا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کی سُنَّت سے ثابت ہے لیکن صدقہ بھی وہ بہتر ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے دے جائے کیونکہ اِس کے ذریعہ سے انسان اپنے ایمان پر مہر لگاتا ہے"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 405)

قرآن کریم کی عِلل اربعہ

حضورؑ نے الٓمّٓ ۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْہِ ۚۛ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"ہر شئے کی چار علّتیں ہوتی ہیں۔ یہاں بھی اِن عِلَلِ اربعہ کو بیان کیا ہے اور وہ عِلَل اربعہ ہوتی ہیں۔ علّتِ فاعلی، علّتِ صوری، علّتِ مادی، علّتِ غائی۔ اس مقام پر قرآن شریف کی چار علّتوں کا ذکر کیا۔

علّتِ فاعلی تو اس کتاب کی الٓمّٓ ہے اور الٓمّٓ کے معنی میرے نزدیک انا اللہ اعلم یعنی مَیں اللہ وہ ہوں جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں اور علّتِ مادی ذٰلِکَ الْکِتٰبُ ہے یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہے اور علّتِ صوری لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْہِ ہے یعنی اس کتاب کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ اِس میں کسی قسم کا شک وشبہ ہی نہیں۔ جو بات ہے مستحکم اور جو دعویٰ ہے وہ مدلّل اور روشن اور علّت غائی اس کتاب کی ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ہے یعنی اس کتاب کے نزول کی غرض وغایت یہ

ہے کہ متقیوں کو ہدایت کرتی ہے یہ چاروں علتیں بیان کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے متقیوں کی عام صفات بتائی ہیں کہ وہ متقی کون ہوتے ہیں جو ہدایت پاتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ- وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرہ:4-5)

یعنی وہ متقی ہوتے ہیں جو خدا پر جو ہنوز پردۂ غیب میں ہوتا ہے ایمان لاتے ہیں اور نماز کو کھڑا کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو تجھ پر نازل کی ہے اور جو کچھ تجھ سے پہلے نازل ہوں۔ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ صفات متقی کے بیان فرمائے۔

اب یہاں بالطبع ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کتاب کی غرض وغایت تو یہ بتائی۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ اور پھر متقیوں کے صفات بھی وہ بیان کئے جو سب کے سب ایک باخدا انسان میں ہوتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہو۔ نماز پڑھتا ہو۔ صدقہ دیتا ہو۔ کتاب اللہ کو مانتا ہو۔ قیامت پر یقین رکھتا ہو۔ پھر جو شخص پہلے ہی سے ان صفات سے متصف ہے اور وہ متقی کہلاتا ہے اور ان امور کا پابند ہے تو پھر وہ ہدایت کیا ہوئی جو اس کتاب کے ذریعہ اس نے حاصل کی؟ اس میں وہ امر زائد کیا ہے جس کے لئے یہ کتاب نازل ہوئی ہے؟ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی اور امر ہے جو اس ہدایت میں رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ امور جو بطور صفات متقین بیان فرمائے ہیں یہ تو اس ہدایت کے لئے جو اس کتاب کا اصل مقصد اور غرض ہے بطور شرائط ہیں۔ ورنہ وہ ہدایت اور چیز ہے۔ اور وہ ایک اعلیٰ امر ہے جو خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے اور جس کو میں بیان کرتا ہوں۔

پس یاد رکھو کہ متقی کی صفات میں سے پہلی صفت یہ بیان کی يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ یعنی غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ مومن کی ایک ابتدائی حالت کا اظہار ہے۔ کہ جن چیزوں کو اس نے نہیں دیکھا ان کو مان لیا ہے۔ غیب اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اور اس غیب میں بہشت، دوزخ، حشر اجساد اور وہ تمام امور بھی جو ابھی تک پردہ غیب میں ہیں، شامل ہیں۔

اب ابتدائی حالت میں تو مومن ان پر ایمان لاتا ہے لیکن ہدایت یہ ہے کہ اس حالت پر اسے ایک انعام عطا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا علم غیب سے انتقال کر کے شہود کی طرف آجاتا ہے اور اس پر پھر ایسا زمانہ آجاتا ہے کہ جن باتوں پر وہ پہلے غائب کے طور پر ایمان لاتا تھا وہ ان کا عارف ہو جاتا ہے اور وہ امور جو ابھی تک مخفی تھے اس کے سامنے آجاتے ہیں اور حالت شہود میں انہیں دیکھتا ہے۔ پھر وہ خدا تعالیٰ کو غیب نہیں مانتا بلکہ اسے دیکھتا ہے اور اس کی تجلی سامنے رہتی ہے۔ غرض اس غیب کے بعد شہود کا درجہ اُسے عطا کیا جاتا ہے۔ جیسے ایمان کے بعد عرفان کا مرتبہ ملتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کو اسی عالم میں دیکھ لیتا ہے۔ اور اگر اس کو یہ مرتبہ عطا نہ ہوتا تو پھر يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے مصداق کو کوئی ہدایت اور انعام عطا نہ ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ اور اس کے لئے ہدایت یہی ہے کہ اس کے ایمان کو حالت غیب سے منتقل کر کے حالت شہود میں لے آتا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل:73) یعنی جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ دوسرے عالم میں بھی اندھا اٹھایا جاوے گا۔ اس نابینائی سے یہی مراد ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی تجلی اور ان امور کو جو حالت غیب میں ہیں اسی عالم میں مشاہدہ نہ کرے اور یہ نابینائی کا کچھ حصہ غیب والے میں پایا جاتا ہے لیکن هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کے موافق جو شخص ہدایت پالیتا ہے اس کی وہ نابینائی دور ہو جاتی ہے اور وہ اس حالت سے ترقی کر جاتا ہے اور وہ ترقی اس کلام کے ذریعہ سے یہ ہے کہ ایمان بالغیب کے درجہ سے شہود کے درجہ پر پہنچ جاوے گا اور اس کے لئے یہی ہدایت ہے۔

متقی کی دوسری صفت یہ ہے يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ یعنی وہ نماز کو کھڑی کرتے ہیں۔ متقی سے جیسا ہو سکتا ہے نماز کھڑی کرتا ہے۔ یعنی کبھی اس کی نماز گر پڑتی ہے۔ پھر اسے کھڑا کرتا ہے۔ یعنی متقی خدا تعالیٰ سے ڈرا کرتا ہے اور وہ نماز کو قائم کرتا ہے اس حالت میں مختلف قسم کے وساوس اور خطرات بھی ہوتے ہیں جو پیدا ہو کر اس کے حضور میں حارج ہوتے ہیں اور نماز کو گرا دیتے ہیں۔ لیکن یہ نفس کی اس کشاکش میں بھی نماز کو کھڑا کرتا ہے۔ کبھی نماز گرتی ہے مگر یہ پھر اسے کھڑا کرتا ہے اور یہی حالت اس کی رہتی ہے کہ وہ تکلف اور کوشش سے بار بار اپنی نمازہ کو کھڑا کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس کلام کے ذریعہ ہدایت عطا کرتا ہے۔ اس کی ہدایت کیا ہوتی ہے؟ اس وقت بجائے يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کے ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اس کشمکش اور وساوس کی زندگی سے نکل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس غیب کے ذریعہ انہیں وہ مقام عطا کرتا ہے جس کی نسبت فرمایا ہے کہ بعض آدمی ایسے کامل ہو جاتے ہیں کہ نماز ان کے لئے بمنزلہ غذا ہو جاتی ہے اور نماز میں ان کو وہ لذت اور ذوق عطا کیا جاتا ہے جیسے سخت پیاس کے وقت ٹھنڈا پانی پینے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ نہایت رغبت سے اُسے پیتا ہے اور خوب سیر ہو کر حظ حاصل کرتا ہے یا سخت بھوک کی حالت ہو اور اُسے نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا خوش ذائقہ کھانا مل جاوے جس کو کھا کر وہ بہت ہی خوش ہوتا ہے یہی حالت پھر نماز میں ہو جاتی ہے اور وہ نماز اس کے لئے ایک قسم کا نشہ ہو جاتی ہے۔ جس کے بغیر وہ سخت کرب اور اضطراب محسوس کرتا ہے۔ لیکن نماز کے ادا کرنے سے اس کے دل میں ایک خاص سرور اور ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے جس کو ہر شخص نہیں پاسکتا اور نہ الفاظ میں یہ لذت بیان ہو سکتی ہے اور انسان ترقی کر کے ایسی حالت میں پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُسے ذاتی محبت ہو جاتی ہے اور اس کو نماز کے

کھڑے کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی اس لئے کہ وہ نماز اس کی کھڑی ہی ہوتی ہے اور ہر وقت کھڑی ہی رہتی ہے۔ اس میں ایک طبعی حالت پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے انسان کی مرضی خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہوتی ہے۔ انسان پر ایسی حالت آتی ہے کہ اس کی محبت اللہ تعالیٰ سے محبت ذاتی کا رنگ رکھتی ہے۔ اس میں کوئی تکلف اور بناوٹ نہیں ہوتی۔ جس طرح پر حیوانات اور دوسرے انسان اپنے ماکولات اور مشروبات اور دوسری شہوات میں لذت اٹھاتے ہیں اس سے بہت بڑھ چڑھ کر وہ مومن متقی نماز میں لذت پاتا ہے اس لئے نماز کو خوب سنوار سنوار کر پڑھنا چاہیئے۔ نماز ساری ترقیوں کی جڑ اور زینہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے۔ اس دین میں ہزاروں لاکھوں اولیا اللہ، راست باز، ابدال، قطب گزرے ہیں۔ انہوں نے یہ مدارج اور مراتب کیونکر حاصل کئے؟ اسی نماز کے ذریعہ ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور فی الحقیقت جب انسان اس مقام اور درجہ پر پہنچتا ہے تو اس کے لئے اکمل اتم لذّت نماز ہی ہوتی ہے اور یہی معنیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ہیں۔ پس کشاکش نفس سے انسان نجات پا کر اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

غرض یاد رکھو کہ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وہ ابتدائی درجہ اور مرحلہ ہے جہاں نماز بے ذوقی اور کشاکش سے ادا کرتا ہے لیکن اس کتاب کی ہدایت ایسے آدمی کے لئے یہ ہے کہ اس مرحلہ سے نجات پا کہ اس مقام پر یہا پہنچتا ہے جہاں نمازہ اس کے لئے قرۃ العین ہو جاوے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس مقام پر متقی سے مراد وہ شخص ہے جو نفس لوّامہ کی حالت میں ہے۔"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 306-311)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح سے مستفید فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞